پروفیسر خواجہ عبدالحمید یزدانی

مثنوی رومی میں ذکر خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم

(تیسری اور آخری قسط)

عرب کے کسی بیابان میں کوئی وادی نشین قبیلہ قحط باراں کے سبب حیات و موت کی کشمکش میں مبتلا تھا کہ اچانک حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا۔ حضور نے جب دیکھا کہ بہت سے لوگ ادھر اُدھر ریت پر پڑے انتہائی کرب سے دوچار ہیں اور تشنگی کے باعث ان کے اونٹوں کی زبانیں لٹک گئی ہیں تو حضور اکرم کو ان کی اس حالت پر رحم آیا اور حضورؐ نے کسی سے فرمایا کہ فوراً چند لوگ اس ٹیلے کی طرف جاؤ، وہاں اونٹ پر سوار ایک حبشی غلام اپنے آقا کے لیے پانی کی مشک لے کر جا رہا ہے، اسے میری طرف بلا لاؤ۔ لوگ اس طرف دوڑے۔ تھوڑی ہی دیر بعد انھوں نے ایک حبشی شتربان کو پانی کی مشک اٹھائے ادھر سے گزرتے دیکھا۔ لوگ اس سے کہنے لگے کہ فخر البشر صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا وہ کون ہیں؟ لوگوں نے حضور کے تعارف کے لیے کئی ایک القاب استعمال کیے۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا اور بولا گویا وہ کوئی (نعوذ باللہ) ساحر ہیں اور انھوں نے اپنے سحر سے کسی گروہ کو بے بس کر دیا ہے۔ میں تو ان کی طرف ایک قدم بھی نہیں جاؤں گا۔ لوگ اسے دھکم پیل کرتے حضور کی خدمت میں لے گئے۔ وہ اول فول بکتا رہا۔ جب وہ حضور اکرم کی خدمت میں پہنچا تو حضورؐ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم پانی پیو بھی اور ساتھ بھی لے جاؤ۔ غرض تمام آفت زدہ لوگوں اور ان کے اونٹوں نے بھی سیر ہو کر پانی پیا اور مشکیں بھر بھر ساتھ بھی لیا، اور یہ ایسی صورتِ حال تھی جس نے برسنے والے بادل کو بھی حیران کر دیا تھا۔ مولانا کہتے ہیں کہ کیا کبھی کسی نے ایسا منظر دیکھا ہے کہ ایک مشک سے اس قدر انسان اور حیوان بھی سیر ہوئے ہوں اور کئی مشکیں بھی اس سے بھری گئی ہوں۔ یہ سب مشک کا کمال نہیں تھا کہ وہ تو خود رُو پوش تھی، حقیقت میں یہ فضلِ ربی کی لہر تھی جو حکم محبوبِ یزدانی سے "بحر اصل" سے آ رہی تھی۔ یہاں مولانا نے یہ سائنسی نکتہ بیان کیا ہے کہ گرمی اور تپش سے پانی ہوا بن کر اُڑ جاتا ہے اور پھر یہی ہوا سردی سے پانی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس

کے بعد مولانا مسبب کی بجائے سبب پر نظر رکھنے والوں کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب کوئی سبب سامنے نہیں ہوتا تو اس وقت کیوں سر پیٹتے اور "یارب، یارب" پکارتے ہو۔ مولاناؒ سبب تک محدود رہنے والوں کو معذور قرار دیتے ہیں کہ ان کی نظر اس سے آگے جا ہی نہیں سکتی۔

قصہ کوتاہ، اہلِ قافلہ پانی کی اس فراوانی اور حبشی غلام کی مشک کے اسی طرح بھرے رہنے کے باعث بے حد حیران ہوئے۔ غلام پر بھی حیرانی طاری ہوگئی۔ اسی عالم میں جہاں اس کے دل میں لامکاں سے ایمان کی لہر دوڑتی چلی گئی وہاں عالمِ بالا سے اُسے ایک پانی کا چشمہ بھی گرتا ہوا نظر آیا۔ یہ سارا فیض اسی چشمے کا تھا اور غلام کی مشک اس کا محض روپوش تھی۔ اس منظر نے اسے بے تاب و مضطرب کر دیا۔ اس کی آنکھوں سے اشک رواں ہوگئے اور وہ سرورِ کونینؐ کے دست ہائے مبارک اپنے چہرے پر رکھ کر دیوانہ وار انھیں چومنے لگا۔ حضور اکرمؐ نے اپنے دستِ مبارک اس کے چہرے پر مَلے اور اُسے مسرت و شادمانی سے ہم کنار کر دیا۔ حضورؐ کے اس عمل سے حبشی کا رنگ سرخ و سفید ہوگیا۔ غلام پر وارفتگی و سرمستی کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور وہ اسی حالت میں اپنے آقا کی طرف روانہ ہوگیا . . . کہانی آگے چلتی ہے۔ تاہم اس کے آخر میں تن شناسوں پر جان شناسوں کی برتری بیان کی گئی ہے۔

اندر آن وادی گروہی از عرب — خشک شد از قحط باران شان قرب
درمیانِ آن بیابان ماندۂ — کاروانی مرگ بر خود خواندۂ
ناگہانی آن مغیث ہر دو کون — مصطفیٰ پیدا شد از رہ بہر عون
دید کآنجا کاروانی بس بزرگ — بر تفِ ریگ و رہ صعب و سترگ
اشتران شانرا زبان آویختہ — خلق اندر ریگ ہر سو ریختہ
رحمش آمد گفت ہین زوتر دوید — چندیاری سوی آن کثبان روید
کہ سیاہی بر شتر مشک آورد — سوی میر خود بزودی می برد
آن شتربان سیہ را با شتر — سوی من آرید با فرمان مُر
سوی کثبان آمدند آن طالبان — بعد یکساعت بدیدند آنچنان
بندۂ می شد سیہ با اشتری — راویہ پُر آب چون ہدیہ بری

پس بدو گفتند "می خواند ترا   این طرف فخر البشر خیر الوریٰ"
گفت "من نشناسم او را کیست او؟"   گفت او "آن ماہروی قند خو
سید و سرور، محمد نور جان   مہتر و بہتر شفیع مجرمان"
نو عہا تعریف کردندش کہ ہست   گفت مانا او مگر آن ساحر ست
کشکشانش آوریدند آنطرف   او فغان برداشت بر تشنیع و تف

اس سے آگے مولانا فرماتے ہیں :

با سببہا از مسبب غافلی   سوی این روپوشہا زآن مایلی
حاصل آنکہ در سبب پیچیدہ ای   لیک معذوری ہمین را دیدہ ای
قافلہ حیران شدند از کار اوؐ   یا محمدؐ چیست این ای بحر خو
کردہ ای روپوش مشک خُرد را   غرقہ کردی ہم عرب ہم کُرد را
ای غلام اکنون تو بر بین مشک خود   تا نگوئی در شکایت نیک و بد
آن سیہ حیران شد از برہانِ اوؐ   می دمید از لامکان ایمان او
چشمہ دید، از ہوا ریزان شدہ   مشک او روپوش فیض آن شدہ
زآن نظر روپوشہا ہم بر درید   تا معین چشمۂ غیبی بدید

اس سے آگے اور بھی کئی شعر ہیں :

ایک جگہ فلسفۂ احتیاج پر اظہار خیال کرنے کے بعد مولانا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو معجزے بیان کیے ہیں۔ اس حصے میں آنحضرت کا ذکر سعادت اثر پیغمبر، رسول، مصطفیٰ اور خوش خطاب کے القاب سے آیا ہے۔

کوئی کافر عورت، سرورِ کائنات کو آزمانے کی خاطر ایک شیر خوار بچہ لے کر حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی۔ بچے نے وہاں پہنچتے ہی "یا رسول اللہ سلام علیک" کہا اور عرض کیا کہ ہم آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ اس کی ماں نے غصے میں اسے ڈانٹتے ہوئے خاموش رہنے کو کہا، پھر اس سے پوچھنے لگی کہ کس نے تمھارے کانوں میں یہ شہادتِ رسول ڈالی ہے، اور کس نے تجھے یہ سب کچھ سکھایا ہے کہ تم اس صغر سنی ہی میں بولنے لگے ہو۔ بچے نے جواب دیا کہ خدا نے مجھے اس کی تعلیم دی

ہے۔ پھر حضرت جبرئیل بھی اس معاملے میں میرے ہم زبان ہیں۔ ماں بڑی حیران ہو کر اس سے پوچھنے لگی کہ حضرت جبرئیل کہاں ہیں؟ وہ بولا، کیا وہ تمھیں نظر نہیں آ رہے؟ ذرا سر اٹھا کر تو دیکھو، تمھارے سر سے کچھ اوپر وہ کھڑے ہیں، اور کئی طریق سے میری راہنمائی فرما رہے ہیں۔ ماں نے پھر پوچھا کہ آیا وہ تمھیں نظر آ رہے ہیں؟ بچے نے پھر اثبات میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ وہ بدرِ کامل کی طرح درخشاں تمھارے سر کے اوپر کھڑے ہیں۔ وہ رسولِ خدا کے اوصاف مجھ سے بیان کر رہے اور مجھے پستی سے بلندیوں پر پہنچا رہے ہیں۔ اس کے بعد حضور نبی کریم نے بچے سے اس کا نام پوچھا اور اسے اسلام لانے کو کہا۔ بچہ بولا کہ اللہ کے حضور میرا نام "عبدالعزیز" (غلام صاحب غلبہ) اور یہاں اس دنیا میں عبدعزّیٰ ہے۔ میں عزّیٰ وغیرہ ہر طرح کے بتوں سے دور اور بیزار ہوں، اور صرف اسی کو اپنا رب تسلیم کرتا ہوں جس نے حضور کو پیغمبری عطا کی ہے۔ غرض ماہِ کامل کی طرح درخشاں یہ دو ماہہ بچہ بڑے بڑے باشعور اور اصحابِ دانش و بینش کی طرح پختہ اور منجھی ہوئی گفتگو کر رہا تھا۔ اسی اثنا میں بہشت کی طرف سے حنوط کا نزول ہوا۔ یہ خوشبو جب دونوں ماں بیٹے کے دماغوں تک پہنچی تو وہ کہنے لگے کہ خوفِ سقوط سے بہتر ہے اس بوئے حنوط پر جان فدا کر دی جائے ——— داستان یہاں ختم ہو جاتی ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ جس ذاتِ گرامی کی تعریف و توصیف اور جس ہستیِ اقدس کا تعارف خود خدائے بزرگ و برتر فرمائے اس کے صادق ہونے کی گواہی جمادات و نباتات بھی دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں جس ذاتِ ارجمند کا تعلق اس ہستیِ مطلق و لم یزل سے ہوگا، اس کائنات کا ہر ہر ذرہ اس کا مطیع و منقاد ہوگا:

هم از آن ده یک زنی از کافران — سوی پیغمبر دوان شد زامتحان
پیش پیغمبر در آمد باخمار — کودکی دو ماهه زن را در کنار
گفت کودک "سلم الله علیک — یا رسول الله قد جئنا الیک"
مادرش از خشم گفتش در هین خموش — کیت انکند این شهادت را بگوش
این کیت آموخت ای طفل صغیر — که زبانت گشت در طفلی جریر
گفت "حق آموخت، وانگه جبرئیل — در بیان با جبرئیلم من رسیل"
گفت "کو؟" گفتا که "بالای سرت — می نبینی؟ کن ببالا منظرت"

مولانا یہ کہہ کر کہ جس ذاتِ گرامی کا محافظ و نگہبان ربِ جلیل ہو اس کی حفاظت ہر مخلوقِ عالم کرتی ہے، اس موضوع کو آگے بڑھاتے ہیں اور سیّد البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آمدہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کا سایہ بھی سراپا نور ہوتا ہے، جبکہ عبدِ دنیا کا سایہ، تاریکی و ظلمات کے سوا کچھ بھی نہیں۔ مولانا ان دونوں سایوں میں پہچان کرنے کی تلقین فرماتے ہیں، تاکہ اس پہچان کے طفیل صحیح معنوں میں راہِ ہدایت حاصل اور محبوبِ حقیقی تک رسائی ہو سکے۔ آخر میں مولانا اس واقعہ کو "راضی برضائے دوست" ہونے کے لیے ایک سبق قرار دیتے ہیں۔

دفترِ سوم کے آخر میں چند ایک احادیثِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور آیاتِ قرآنی کے علاوہ بعض نکات کی تشریح کے دوران حضور نبیِ کریمؐ کا ذکر خیر پیغمبرؐ، رسولؐ، محمدؐ، احمدؐ، آقاؐ، شیرؐ، رحمتِ عالمؐ اور شاہ کے الفاظ و اسماء و القاب سے آیا ہے۔ اس حصے میں سب سے پہلے حدیث "عجبت من قومٍ یجرّون الی الجنۃ بالسلاسل"[ل] کے ذیل میں بعض پابند سلاسل اسیروں کے گزرنے اور سیّد البشر کے انھیں دیکھ کر تبسم فرمانے کا قصہ بیان ہوا ہے، جس کے دوران مولانا نے اپنے ایک محبوب موضوع یعنی تحقیق و تقلید سے بحث کی ہے۔

چند ایک مضامین ایسے ہیں جنھیں مولانا نے بتکرار دُہرایا ہے، تحقیق و تقلید یا "محقق و مقلّد" ایسے ہی موضوعات میں سے ایک ہے، جیساکہ اس سے پیشتر بیان ہوا۔ مقلدین سے مولانا کی مراد وہ لوگ ہیں جو روایتی دین پر چل رہے ہیں۔ یعنی دین کے بارے میں انھوں نے اپنے آبا و اجداد، ماں باپ اور اپنی جماعت وغیرہ کو جو کچھ کرتے دیکھا، یا بعض عقائد کے متعلق ان سے جو کچھ سنا اس پر یقین کر لیا اور پھر اس یقین پر ہی کاربند رہے۔ یقین و عمل کا یہ انداز انتہائی بودا اور بے اعتبار ہے۔ اور محققین سے مولانا کا مقصود اولیاء اللہ، عرفا اور برگزیدگانِ الٰہی ہیں، جو اپنے تحقیق و تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر صحیح معنوں میں حقیقتِ دین سے آگاہ ہوتے ہیں۔ بہر حال مولانا اپنی رواداری کے سبب اوّل الذکر کو بھی، جو اکثریت میں ہیں، ہدایت اور نجات سے مطلقاً محروم نہیں سمجھتے۔ فرماتے ہیں کہ مقلد بھی اگر

ل مجھے اس قوم پر تعجب ہے جسے زنجیروں کے ساتھ جنت کی طرف لے جایا جا رہا ہو۔

روایت اور جماعت کے جبر سے اچھے راستے پر چل رہا ہے تو اس کی بھی نجات ہو جائے گی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ محقق کو منزلِ مقصود کی خوبیوں کا علم ہے، اس لیے وہ بخوشی اس کی طرف گامزن ہے، لیکن مقلد کو اندرونی اور بیرونی جبر منزل کی طرف گھسیٹ رہا ہے۔[۵۲]

اب آیئے قصے کی طرف۔ ایک موقع پر خاتم النبیینؐ نے چند اسیروں کو دیکھا جنھیں داد و فریاد کرنے اور رونے پیٹنے کی حالت میں لے جایا جا رہا تھا۔ یہ قیدی حضورِ اکرمؐ کو دزدیدہ نظروں سے دیکھتے اور عالم غیظ میں اپنے دانت اور ہونٹ چباتے جاتے۔ لیکن چونکہ وہ پابند سلاسل تھے، اس لیے حضورؐ کے خلاف اپنے اس قہر و غضب کا برملا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ ان پر مقرر گماشتے انھیں بڑی سختی کے ساتھ شہر کی جانب لے جا رہے تھے۔ نہ تو وہ ان سے کوئی فدیہ لینے کو تیار تھے اور نہ کوئی زر و مال، اور نہ کسی سردار کی سفارش ہی بروئے کار آ رہی تھی۔ ان کے ذہن میں یہ سمائی تھی کہ اس ذاتِ گرامیؐ کو کہنے تو رحمت عالمؐ ہیں لیکن یہ رحمت (نعوذ باللہ) ایک دنیا کا حلق و گلو کٹوا رہی ہے۔ غرض وہ قیدی بڑے ہی انکار و تکرار کے ساتھ اور زیر لب بڑبڑاتے، طعنے تشنے دیتے اور برا بھلا کہتے چل رہے تھے، اور یہ کہ ہم تو ہر طرح سے کوشش و چارہ کر بیٹھے لیکن ہماری بات ہی نہیں بن رہی۔ یہاں تو سینے میں دل نہیں سنگِ خارا ہے۔ ہم ہزاروں جنگ دل شیروں کو یہ چند نیم جاں اور عریاں انسان ہانکے لیے جا رہے ہیں۔ خدا جانے ہماری اس قدر درماندگی ہماری کجروی کے باعث ہے، یا یہ ہمارے مقدر کی ہار ہے، یا پھر کسی سحر و افسوں کے سبب ہے۔ ہمارے تو بخت ہی جل گئے۔ ہماری شاہی کو تباہی آ گئی۔ اگر یہ ساری جادو کی کارستانی تھی تو ہم نے بھی تو جواب میں اپنی سی کر دیکھی، پھر ہمارے سحر و افسوں اور تعویذ گنڈے کو کون سی بلا چاٹ گئی۔

یہاں اسیروں کے اس غیظ و غضب، طعن و تشنیع اور اظہارِ مایوسی و بدبختی وغیرہ کا رُخ ان کی خدا سے بجانبِ حق راہنمائی کرنے کی خواہش کی طرف مڑتا ہے۔ مولانا ان کفار کی اس دعا و عبادت کا ذکر کرتے ہوئے داستان کو وقتی طور پر ملتوی کر دیتے اور اس آیۂ قرآنی کی تفسیر بیان کرنے لگتے ہیں، ان تستفتحوا فقد جاءکم الفتح[۵۳] کفار حضور اکرم کے مقابلے میں خود کو گویا راہِ راست پر سمجھتے تھے۔[۵۴]

---

۵۲ تشبیہاتِ رومی، ص ۴۲۷ ۵۳ سورہ الانفال: آیہ ۱۹ - (اور) اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے ہو تو

(باقی اگلے صفحے پر)

چنانچہ ان کی یہ ذہنی کیفیت ان کی اس گفتار سے ظاہر ہے کہ ہم نے اپنے بتوں اور خدا سے یہ عرض و گزارش کی کہ اگر ہم غلط راستے پر ہیں تو ہمیں تباہ کر دے اور ہم میں سے جو کوئی بھی حق و راستی پر ہے اسے فتح و نصرت سے نواز۔ ہم نے لات و منات اور عزّیٰ کے حضور بارہا یہ دعا کی ہے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق پر ہیں تو وہ اور زیادہ نمایاں ہوں۔ بصورتِ دیگر ہمارے دستِ نگر و مطیع ہوں ... اگلے اشعار میں کفار کی مذکورہ غلط فہمی ـــ کہ وہ حق پر ہیں ـــ کے کسی قدر دور ہونے لیکن ضلالت و گمراہی کے سبب ان کے پھر اپنی اسی سوچ پر اڑے رہنے کا ذکر ہے۔ یعنی وہ اپنی شکست کا سبب حضور کے برحق ہونے کو نہیں بلکہ اپنی کسی بدبختی کو قرار دیتے تھے۔ مولانا ان کی اس گمراہی اور ذہنی کیفیت کا نقشہ کھینچتے ہوئے ان کے اس قول کا، کہ اگر آج ہمیں شکست ہوئی تو کیا ہوا، ہم بھی تو فاتح بنے ہیں، جواب اپنے خاص اور اچھوتے انداز میں یعنی عام فہم تمثیل کے ذریعے دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر تم عنبر و مشک کو توڑو گے تو دنیا اس کی خوشبو سے مہک اُٹھے گی، لیکن اگر اتفاقاً سرگین کو توڑو گے تو بدبو سے لوگوں کے دماغ پھٹ پھٹ جائیں گے۔ تو کیا مشک اور سرگین، یا آب اور بول یا اطلس اور پلاس برابر ہو سکتے ہیں :

دید پیغمبر یکی جوقِ اسیر — کہ ہمی بُردند و ایشان در نفیر
دیدشان در بند آن آگاہ شیر — می نظر کردند در وی زیر زیر
تا ہمی خائید ہر یک از غضب — بر رسولِ صدق دندانہا و لب
زہرہ نی با آن غضب کہ دم زنند — زانکہ در زنجیرِ قہرِ دہ منند
میکشدشان مرموَکل سوی شہر — می برد از کافرستانشان بقہر

وہ تو تمہارے سامنے آ موجود ہوا، اور اگر باز آجاؤ تو یہ تمہارے لیے نہایت خوب ہے۔ اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کام کریں گے اور تمہاری جمعیت تمہارے ذرا بھی کام نہ آوے گی، گو کتنی زیادہ ہو، اور واقعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔ (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)

کے ملاحظہ سورۃ التطفیف آیات ۲۹ بعد "... اور جب (یہ کافر ایمان والوں کو) دیکھتے تو یوں کہا کرتے کہ یہ لوگ (ایمان والے) یقیناً غلطی میں ہیں (کیونکہ کفار اسلام کو غلطی سمجھتے تھے) ... الخ" (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)

نی فدائی می ستانند نی زری | نی شفاعت میرسد از سروری
رحمتِ عالم ہمی گویند و اُو | عالمی را می بُرَد حلق و گلو
با ہزار انکار می رفتند راہ | زیرِ لب طعنہ زنان بر کارِ شاہ
چارہ ہا کردیم و اینجا چارہ نیست | خود دلِ این مرد کم از خارہ نیست

اسی مضمون (شکستنِ نافہ وغیرہ) کو آگے بڑھاتے ہوئے مولانا نے سید البشر کے حدیبیہ سے ناکام لوٹنے اور غمگین و ملول ہونے اور پھر خدا کی جانب سے "انّا فتحنا لک فتحاً"[۵۵] کے الفاظ میں حضور اکرم کو آئندہ فتح و نصرت و کامرانی کی بہت بڑی نوید سنائے جانے کا ذکر کیا ہے۔ اس حصے میں مولانا نے یہ نکتہ پیش کیا ہے کہ جو کوئی ذات باری جل شانہ کا ہو کر رہ گیا، درحقیقت وہ عظمتوں اور بلندیوں کو پہنچ گیا۔

وقت واگشت حدیبیہ رسول | در تفکر بود غمگین و ملول
ناگہان اندر حق شمعِ رُسُل | دولت "انّا فتحنا" زد دُہل
آمدش پیغام از دولت کہ رو | تو ز منعِ این ظفر غمگین مشو

اس کے بعد نبی کریم کی حدیث "لا تفضّلونی علیٰ یونس بن متی ..." (مجھے حضرت یونس پر فضیلت نہ دو) کی تفسیر بیان ہوئی ہے۔ دو ایک شعروں میں حدیث مذکور کا ترجمہ ہے، اور اس کے بعد تفسیر کے ذیل میں حبسِ ہستی سے نجات پانے کو قربِ حق کا وسیلہ قرار دے کر مولانا پھر داستانِ اسیراں کی طرف رجوع اور اُن کے طعنوں تشنوں کا ذکر کرتے ہیں۔

تیسرے دفتر کے اختتام پر "ومن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ..."[۵۶] کی تفسیر کے ضمن میں حضور اکرم کا ذکر سعادت اثر پیغمبر کے لفظ سے آیا ہے۔

اس حصے میں اس نکتے کی وضاحت کی گئی ہے کہ "زندگی کا مدار اسباب و علل پر ہے" صاحبِ

---

۵۵ سورۃ الفتح آیہ ۱ ببعد۔ بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی۔

۵۶ سورۃ زلزال آیات ۷-۸، سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا، اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

دانش و بینش" زندگی میں عام اور مجرب قواعد پر عمل کرتا ہے اور نادرات سے استدلال نہیں کرتا لیکن کاہلوں اور نادانوں کی نظریں نادر امور پر جمی رہتی ہیں۔ وہ جد و جہد و سعی کو لغو سمجھتے اور یوں زندگی کو بیکار ضائع کرتے ہیں۔ جبکہ "خدا اور اس کے رسول نے یہ تلقین کی ہے کہ اپنے فرائض تن دہی سے انجام دو۔ عام طور پر اچھی کوشش سے اچھا ہی نتیجہ نکلے گا، لیکن کبھی نتیجہ خلافِ توقع نکلے تو زندگی کے عام قانون سے راہِ گریز اختیار نہ کرو۔" مولانا کا کہنا ہے کہ "جس کی تقدیر میں خوش بختی اور نجات نہیں وہ مرد کاہل نادرات میں پناہ لیتا ہے۔ حالانکہ زندگی میں نادرات بہت کم ہیں۔ پتھر کو لوہے سے ٹکراؤ گے تو چنگاری نکلے گی۔ یہ ایک طبعی قانون ہے، لیکن ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کسی وقت چنگاری نہ نکلے"[۵۴]

سایۂ حق بر سر بندہ بود — عاقبت جوینده یابنده بود
گفت پیغمبرؐ کہ چون کوبی دری — عاقبت زآن در برون آید سری
چون نشینی بر سرِ کوی کسی — عاقبت بینی تو ہم روی کسی
چون زچاہی میکنی ہر روز خاک — عاقبت اندر رسی در آب پاک
جملہ دانند این اگر تو نگروی — ہر چہ می کاریش روزی بدروی
سنگ بر آہن زدی آتش بجست — این بباشد ور نہ باشد نادرست
آنکہ روزی نیلتش بخت و نجات — ننگرد عقلش مگر در نادرات[۵۵]

نیز مثنوی جلد ۳ صفحہ ۸۶ پر حضرت حمزہؓ کے بارے میں اشعار ہیں۔ جن میں حضور نبی کریم کو مصطفیٰؐ، رسولؐ اور محمدؐ کے اسما سے یاد کیا گیا ہے۔

---

۵۴ واوین والی چاروں عبارتیں تشبیہاتِ رومی (ص ۴۳۴، ۴۳۵) سے ماخوذ ہیں۔

۵۵ مثنوی۔ ص ۳/ ۱۱۷: ۱۱۸۔